عدالتِ صحابہؓ

ملک غلام علی صاحب

عدالت کیسے مجروح ہوتی ہے؟ گزشتہ بحث میں عدالتِ صحابہؓ کا صحیح اور حقیقی مطلب و مفہوم بڑی حد تک واضح کیا جا چکا ہے اور یہ بھی ثابت کیا جا چکا ہے کہ الصحابۃ کلھم عدول محدثین کا ایک خاص اصطلاحی مقولہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ حدیثِ نبویؐ روایت کرنے میں راست باز اور صادق القول ہیں اور ان سے کبھی کذب فی الحدیث کا صدور نہیں ہوا۔ اب عدالتِ صحابہ کا یہ اصول ــ کوئی اسے عقیدہ کہنا چاہے تو کہہ لے ـــ اس وقت تک مجروح نہیں ہو سکتا جب تک کوئی شخص اس بات کا قائل نہ ہو کہ صحابہ کرام (معاذ اللہ) غلط یا جھوٹی بات بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے منسوب کر دیتے تھے، یا یہ نہ کہے کہ ان سے چونکہ گناہ یا خطا کا صدور ہو سکتا تھا اور ہوا ہے اس لیے ان کے بارے میں یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ شاید وہ جھوٹی حدیث بھی بیان کرتے ہوں اور اس بنا پر صحابہ کرامؓ یا کسی خاص صحابی کی عدالت اور ان کی بیان کردہ روایت کے صدق و کذب کی بھی اسی طرح چھان بین ہونی چاہیے جس طرح دوسرے راویوں کے بارے میں کی جاتی ہے[1]۔ مولانا مودودی ان میں سے کسی بات کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ہر صحابیِ رسول کو بلا استثناء عادل فی روایۃ الحدیث مانتے

---

[1] جن لوگوں نے اصولِ حدیث و اصولِ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں رہ سکتے کہ ان کتابوں میں جہاں کہیں الصحابۃ کلھم عدول کا کلیہ زیرِ بحث آیا ہے وہاں یہ بات بھی بیان کر دی گئی ہے کہ معتزلہ وغیرہ اس بات کے قائل تھے کہ جس طرح دوسرے رواۃِ حدیث کی عدالت کا معاملہ تحقیق و تفتیش طلب ہے اسی طرح صحابہ کرام کا بھی ہے، بالخصوص جن صحابہؓ نے دورِ فتن اور اختلافِ باہمی کا زمانہ پایا اور ان میں ایک فریق بن کر حصہ لیا، ان کی عدالت تحقیق طلب ہے۔ مگر اہلِ سنت نے اس قول کو رد کر دیا اور اب اس کے مردود ہونے پر اجماع ہے۔

ہیں۔ حضرت معاویہ، حضرت مغیرہ، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ احادیث کو انھوں نے اپنی کتابوں میں درج کر کے ان سے استدلال و استنباط کیا ہے۔ اس کے بعد آخر کس قاعدے کی بنا پر یہ اتہام جائز ہو سکتا ہے کہ "خلافت و ملوکیت" میں بیان کردہ واقعات سے عدالتِ صحابہؓ مجروح ہوتی ہے؟

مدیر "البلاغ" نے من مانے طریق پر عدالتِ صحابہ کی اقسام بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ عقلی طور پر عدالتِ صحابہؓ کے تین مفہوم ہو سکتے ہیں۔" تیسری قسم جسے انھوں نے بزعمِ خویش اہلِ سنت کا مسلک قرار دیا ہے، وہ ان کے الفاظ میں یہ ہے کہ "صحابہ کرام نہ تو معصوم تھے اور نہ فاسق۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی سے بعض مرتبہ بتقاضائے بشریت "دو ایک یا چند" غلطیاں سرزد ہو گئی ہوں، لیکن "تنبہ" کے بعد انھوں نے توبہ کر لی اور اللہ نے انھیں معاف فرما دیا۔ اس لیے وہ ان غلطیوں کی بنا پر فاسق نہیں ہوئے۔ چنانچہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی صحابی نے گناہوں کو اپنی پالیسی بنا لیا ہو جس کی وجہ سے اُسے فاسق قرار دیا جا سکے۔"

مولانا مودودی نے یا میں نے عدالتِ صحابہؓ کا جو مفہوم بیان کیا ہے اس کی تائید میں علماء و محدثینِ اہلِ سنت کے متعدد اقوال درج کیے جا چکے ہیں اور مزید کیے جا سکتے ہیں، لیکن مولانا عثمانی صاحب نے اپنی وضع کردہ تعریف کے حق میں ایک حوالہ بھی نقل نہیں فرمایا۔ تاہم مولانا مودودی کی کوئی تحریر عدالت کی اس تعریف سے بھی متصادم نہیں ہے۔ عثمانی صاحب اوّلاً فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نہ معصوم تھے نہ فاسق۔ میں پوچھتا ہوں کہ مولانا مودودی نے کس مقام پر کسی صحابی کو فاسق لکھا ہے؟ کیا ان کے صحابہ کو فقط غیر معصوم کہہ دینے یا ان کی کسی غلطی کو بیان کر دینے سے آپ یہ الزام ان پر جڑ دینا چاہتے ہیں؟ اگر اس طرح کے صغرے کبرے ملا کر الزامات برآمد ہو سکتے ہیں تو جو لوگ پاکدامن خواتین پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں، ان کے متعلق سورۂ نور آیت ۴ میں فرمایا گیا ہے کہ اولئک ھم الفاسقون پھر کہہ دیجیے کہ حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت مسطحؓ، حمنہ بنتِ جحش (جو ام المومنین حضرت زینبؓ کی بہن ہیں) یہ سب سزا پانے اور توبہ کرنے کے بعد بھی فاسق ہیں بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جو فاسق ہیں! یہ آخر کیا طرزِ استدلال ہے؟ مولانا مودودی نے تو فسق یا فاسق کے الفاظ امیر معاویہؓ کے حق میں استعمال نہیں کیے لیکن آپ چاہیں تو میں اہلِ سنت کے چوٹی کے علما کی نشان دہی کر سکتا ہوں جنھوں نے یہ الفاظ بھی کہے ہیں۔ فسق یا بدعت کے الفاظ گالی یا سب و شتم کے الفاظ ہرگز نہیں ہیں۔ میں شاہ عبدالعزیزؒ کا قول پہلے نقل کر چکا ہوں جس میں انھوں نے امیر معاویہؓ ہی کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے کہا الفاسق لیس باھل اللعن (فاسق لعن طعن کا مستحق نہیں ہے)

عدمِ اطاعت پر فسق کا اطلاق | اب ایک دوسرا قول لیجیے۔ کتاب المواقف قاضی عضدالدینؒ کی تصنیف ہے جس کا موضوع کلام اور عقائد اہل سنت کا اثبات ہے اس کی ایک ضخیم شرح علامہ سید شریف علی بن محمد الجرجانی (ف ۸۱۶) نے سپردِ قلم کی ہے جو شرح المواقف کے نام سے مشہور ہے اس کے اواخر میں ایک باب الموقف السادس فی السمعیات کے نام سے موسوم ہے۔ اس باب میں وجوب نصب الامام کے زیرِ عنوان تعظیمِ صحابہ کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے جو کچھ علامہ جرجانی نے فرمایا ہے، اس کی پوری عربی عبارت اور پھر اس کا ترجمہ دینا تو موجب طوالت ہے۔ اس لیے میں شروع کے حصے کا ترجمہ دوں گا اور آخری حصہ عربی میں مع ترجمہ درج کروں گا۔ پہلے وہ فرماتے ہیں:

"تمام صحابہ کی تعظیم اور ان کی قدح نہ کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت و ثنا بیان فرمائی ہے اور بہت سی احادیث میں بھی ان کی تعریف بیان ہوئی ہے۔ پھر جو شخص ان کی سیرتوں پر غور کرتا ہے اور ان کے کارنامے، دینی جدوجہد اور اللہ و رسول کے لیے ان کی مالی اور جانی قربانیوں سے واقف ہوتا ہے تو اس شخص کے دل میں ان کی عظمتِ شان کے بارے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا اور اسے یقین ہو جاتا ہے کہ باطل پرست صحابہ کرامؓ سے جو مطاعن منسوب کرتے ہیں، ان سے وہ بری ہیں اور وہ ان پر طعن کرنے سے رک جاتا ہے کیونکہ یہ منافیٔ ایمان ہے۔ ہم اس قسم کے مطاعن سے اپنی کتاب کو آلودہ نہیں کرنا چاہتے اور بڑی کتابوں میں یہ باتیں پوری طرح مذکور ہیں۔ اگر تم چاہو تو آگاہی حاصل کرنے کے لیے ان کا مطالعہ کر سکتے ہو۔ جہاں تک صحابہ کرام کے مابین واقع شدہ فتن و حروب کا تعلق ہے تو معتزلہ میں سے بعض نے تو ان کے وقوع ہی کا انکار کر دیا ہے مگر بلا شک و شبہ یہ انکار مکابرہ ہے ..... اور جن لوگوں نے ان فتنوں اور لڑائیوں کا اعتراف کیا ہے ان میں سے بعض نے فریقین کی تغلیط و تصویب کے معاملے میں سکوت اختیار کیا ہے اور یہ اہل سنت کا ایک گروہ ہے۔"

اس کے بعد فرماتے ہیں:

والذی علیہ الجمھور من الامۃ ھو ان المخطی قتلۃ عثمان و محاربو علی لانھما

امامان فیحرم القتل والمخالفۃ قطعاً الا ان بعضھم کالقاضی ابی بکر ذھب ان ھذہ التخطیۃ لا تبلغ الی حد التفسیق ومنھم من ذھب الی التفسیق کالشیعۃ وکثیر من اصحابنا۔

"جمہور امت یعنی امت کی غالب اکثریت جس مسلک پر ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلین اور حضرت علیؓ سے جنگ کرنے والے خطار کار تھے کیونکہ یہ دونوں خلفاء امامِ وقت تھے اور ان کا قتل اور ان کی مخالفت قطعی حرام تھی، البتہ امت کے بعض علماء مثلاً قاضی ابوبکر باقلانی کا موقف یہ ہے کہ یہ خطا تفسیق کی حد تک نہیں پہنچتی۔ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو محاربین علی کی تفسیق کے قائل ہیں، مثلاً شیعہ اور ہمارے علمائے سنت کی کثیر تعداد"

(شرح المواقف: جزء ثامن، ص ۳۷۴-۳۷۵، الطبعۃ الاولی مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۲۵ھ)

اب شرح المواقف کی اس بحث میں چند امور نہایت واضح ہیں۔ اس میں کتاب وسنت سے صحابۂ کرام کے فضائل ومحامد بیان کرتے ہوئے جملہ صحابۂ کرامؓ کی تعظیم وتکریم کو واجب قرار دیا گیا ہے اور ان کی توہین و تنقیص سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ ہمارے اہلِ علم اصحاب کی بڑی تعداد نے حضرت علیؓ سے لڑنے والوں کی تفسیق بھی کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تفسیق اُس طعن اور قدح کی تعریف میں نہیں آتی جس سے ہمیں روکا گیا ہے اور نہ یہ اُس تعظیمِ صحابہ کے منافی ہے جس کے ہم مامور ہیں اور جس کے وجوب کا ذکر شروع میں کیا گیا ہے۔ اس بحث سے مزید یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بلاشبہ اہلِ سنت کے ایک گروہ نے ان مقاتلات ومحاربات کے معاملے میں خاموش رہنے کو ترجیح دی ہے لیکن جمہور امت کے نزدیک حضرت علیؓ کے خلاف تلوار اٹھانے والے خاطی تھے اور یہ خطا کثیر من اصحابنا کے نزدیک حد تفسیق تک جا پہنچی تھی لیکن بعض کے نزدیک اس حد تک نہیں پہنچی تھی۔

کیا صحابہؓ کا ہر قول و فعل اجتہاد ہے؟ مجھے اس بات کو تسلیم کرنے میں ہرگز تامل نہیں ہے کہ بہت سے علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صحابۂ کرام سب کے سب مجتہد تھے، اس لیے جن صحابہ نے خطا کی ہے، ان کی خطا بھی اجتہادی خطا ہے جس پر وہ دُہرے نہیں تو ایک اجر کے مستحق ہیں۔ لیکن اس کے جواب میں میری مؤدبانہ گزارش

ہے کہ الصحابۃ کلھم مجتھدین بھی کتاب و سنت کی کوئی نص نہیں ہے بلکہ علماء ہی کا بیان کردہ قول ہے۔
پہلی بات تو یہ ہے کہ سب صحابی اجتہاد کے یکساں درجے پر فائز نہیں تھے۔ امیر معاویہؓ کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں:

"پس ہر کہ اجتہاد ایشاں را نفی کند درست است زیرا کہ در حضورِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایشاں را آں مرتبہ حاصل نبود۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در ہیچ مسئلہ بر صحت اجتہاد حکم نفرمودہ اند تا اجتہاد ایشاں معتبر و مفتی بہ تواند شد۔ و ہر کہ ایشاں را مجتہد گفت نیز درست گفت زیرا کہ در اخیر عمر بسبب سماعِ احادیثِ کثیرہ از صحابۂ دیگر بعضے مسائل فقہ دخل می کردند، ہمیں است معنی قولِ ابن عباس کہ انہ فقیہ۔ (فتاویٰ عزیزی جلد اول ۲۳۱ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)۔

(جن صحابۂ کرام کو مرتبہ اجتہاد کا حضور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل نہ ہوا تھا ایسے صحابۂ کرام کے اجتہاد کی نفی کرنا درست ہے اس واسطے کہ ایسے صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں مرتبہ اجتہاد کا حاصل نہ ہوا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کے کسی مسئلہ اجتہادیہ کی تصدیق نہیں فرمائی ہے تا اجتہاد ان کا معتبر اور مفتی بہ ہو سکے۔ اور جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مجتہد کہا تو اسے بھی درست کہا، اس واسطے کہ حضرت معاویہؓ نے اخیر عمر میں احادیثِ کثیرہ دیگر صحابہ کبار سے سنیں اور اس وجہ سے بعض مسائلِ فقہ میں دخل دیتے تھے اور یہی مراد ہے حضرت ابن عباسؓ کی اس قول سے کہ انہ فقیہ (وہ فقیہ ہیں)۔)

(فتاویٰ عزیزی مترجم۔ سعید اینڈ کمپنی کراچی، ص ۲۱۸، ۱۳۸۷ھ)

تاہم اگر اس اصول کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ صحابہ کرام کلھم مجتہد تھے، تب بھی ان کے ہر قول و فعل پر اجتہاد کا اطلاق نہیں ہو سکتا، نہ ہر خطا پر اجتہادی خطا کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ بعض افعال پر ماخوذ و محدود کیوں ہوتے اور ان پر توبہ و انابت کی نوبت کیوں آتی؟ بلکہ توبہ کا سوال ہی کیسے پیدا ہوتا؟ آخر جو فعل مبنی بر اجتہاد اور موجبِ اجر ہے، وہ اس کے ساتھ ہی قابلِ مواخذہ و تعزیر کیسے ہو سکتا ہے؟

پھر یہ بات میں پہلے واضح کر چکا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے جس اجتہاد کو باعثِ اجر فرمایا ہے اس کا اصل تعلق حکمِ حاکم سے ہے جو کسی حکمِ شرعی کو کسی جزئی مسئلے پر منطبق کرتے ہوئے صدور میں آیا ہو اور معارضِ نص یا قطعی البطلان نہ ہو۔ ورنہ تو ایک صحابی قرآنِ مجید کی ایک آیت سے استنباط کرتے ہوئے شراب کو حلال کر بیٹھے تھے جس پر حد باری کی گئی تھی۔ اوپر جو شاہ عبدالعزیز صاحب کا قول امیر معاویہؓ کے اجتہاد کے بارے میں نقل ہوا ، اس کے بعد ذرا آگے شاہ صاحب امیر معاویہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ" اس وقت آپ کا اجتہاد اس درجہ کا نہ تھا کہ آپ اہلِ حلّ وعقد میں شمار ہو سکتے اور علاوہ اس کے خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محققین کے نزدیک نص سے ثابت ہے[1]۔

کون سے امور مجتہد فیہ ہیں اور کس اجتہاد میں غلطی کے باوجود اجر ہے، اسے واضح کرنے کے لیے امام بخاری نے صحیح البخاری. کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ میں دو مستقل باب باندھے ہیں۔ ایک کا عنوان ہے : اذا اجتهد العامل او الحاکم فاخطأ خلاف الرسول من غیر علم فحکمہ مردود لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فھو ردّ (جب عامل یا حاکم اجتہاد کرے اور اس میں بغیر علم کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف غلطی کرے، اس کا فیصلہ قابلِ ردّ ہے کیونکہ آنحضورؐ نے فرمایا کہ جو ہمارے حکم کے خلاف عمل کرے وہ عمل مردود ہے)۔ اس کے بعد امام بخاری کے دوسرے باب کا عنوان ہے : اجر الحاکم اذا اجتهد فاصاب او اخطأ (حاکم کا اجر جب اس کا اجتہاد درست ہو یا غلط ہو)۔ بہر کیف یہ بات نہایت واضح ہے کہ ایک صحابی کے ہر قول وفعل پر نہ اجتہاد کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ ہر غلطی وہ اجتہادی غلطی ہو سکتی ہے جو ازروئے حدیث موجب اجر و ثواب ہے۔

حضرت علیؓ کے بالمقابل حضرت معاویہؓ نے جو موقف اختیار کیا، اُسے حق بجانب ثابت کرنے کے لیے بعض اصحاب ان احادیث کا سہارا لیتے ہیں جن میں حضرت علیؓ کو اولی الطائفتین من الحق کہا گیا ہے یا جن میں فئتین عظیمتین من المسلمین کا ذکر ہے۔ استدلال یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ کو حق سے قریب تر قرار دیا گیا،

---

[1] شاہ صاحب کا اشارہ الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ ... تقتلک فئۃ باغیۃ ... وغیرہ ارشاداتِ نبویہ کی جانب ہے، جیسا کہ ان کی اور ان کے والد ماجد کی دوسری تحریرات سے واضح ہے۔

تو مطلب یہ ہوا کہ حضرت معاویہؓ کا گروہ بھی محاربت میں حق پر ہی ہوا، گو کہ اقرب الی الحق والصواب نہ ہوا، لیکن یہ کوئی قطعی ذریعہ استدلال نہیں ہے۔ ایک فرد یا جماعت کی تعریف و توصیف اگر بصیغۂ افعل التفضیل کی جائے تو اس سے بالمقابل فریق یا متقابل طرزِ عمل کی توصیف کا پہلو لازماً نہیں نکلتا۔ مثال کے طور پر سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۲ میں فرمایا کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ عدت پوری کریں تو انہیں نکاحِ ثانی سے نہ روکو، پھر فرمایا کہ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ (یہ تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ طریقہ ہے)۔ اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر تم ان کے نکاح میں مزاحم ہو گے تو یہ بات بھی پاکیزہ و پسندیدہ ہوگی۔ اسی طرح سورۂ ہود (آیت ۷۸) میں حضرت لوطؑ اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ اگر تم عورتوں سے ازدواجی تعلق قائم کرو تو یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ (اَطْهَرُ لَكُمْ) ہے۔ کیا اس قول کا منشا یہ ہو سکتا ہے کہ دوسری غیر فطری عادتِ بد بھی کسی درجے میں طہارت کی حامل قرار دی جائے؟ اسی طرح سورۂ زخرف (۲۴) میں نبیؐ کی زبانی فرمایا گیا: قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ۔ اب یہاں انبیاء کرام پر نازل شدہ تعلیم کو اهدیٰ (زیادہ موجبِ ہدایت) قرار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مشرکین اور ان کے باپ دادا جس روش پر تھے وہ بھی کسی درجے میں ہدایت پر مبنی تھی۔ باقی رہی حضرت حسنؓ کے مناقب والی حدیث جس میں آپ کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کی بشارت ہے تو اس میں شک ہی کیا ہے کہ آنجناب کے مصالحانہ رویّے سے ایک جھگڑا ختم ہوا جس کے دونوں فریق بلاشبہ مسلم و مومن تھے، لیکن اس حدیث میں کسی گروہ کے برسرِ حق یا ناحق ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

بہرکیف ایک قول یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور آپ کے ساتھیوں کی غلطی اجتہادی غلطی تھی، ایک قول یہ ہے کہ یہ خطا تھی مگر حدِ تفسیق کو نہیں پہنچتی، ایک قول یہ ہے کہ اس حد تک پہنچتی ہے۔ مولانا مودودی نے اس کے بین بین موقف اختیار کیا ہے کہ یہ اجتہادی غلطی نہیں، نیت کی غلطی بھی نہیں، محض غلطی ہے۔ یہ موقف قطعی طور پر احوط و اسلم ہے کیونکہ اس میں امیر معاویہؓ کے بارے میں اشارۃً و کنایۃً بھی فسق کا کوئی حکم نہیں لگایا گیا ہے۔ ان سارے اقوال کے قائلین اہلِ سنت ہی کے افراد، بلکہ ائمۂ اہلِ سنت میں شمار ہوتے ہیں۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آج کل اہلِ سنت کی یہ کونسی قسم وجود میں آگئی ہے جو ان اقوال میں سے کسی قول کو عدالتِ صحابہؓ کے منافی یا مسلکِ اہلِ سنت کے مخالف سمجھ رہی ہے۔ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ۔ کیا مدیرِ "البلاغ" اس بات سے بےخبر ہیں کہ احناف کی فقہ و اصولِ فقہ کی کتابوں میں یہ اصول

بھی درج ہے کہ غیر فقیہ راوی کی حدیث خلافِ قیاس ہوگی تو وہ قابلِ قبول نہ ہوگی۔ پھر اس وضع کردہ اصول کی روشنی میں حضرت انسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ جیسے جلیل القدر اور کثیر الروایہ صحابۂ کرام کو غیر فقیہ قرار دے کر ان کی بعض نہایت صحیح و مرفوع احادیث کو ترک کر دیا گیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ان صحابۂ کرام کو غیر فقیہ اور ان کی مرویات کو ناقابلِ قبول قرار دینا، الصحابۃ کلھم عدول و کلھم مجتھدون کے اس مفہوم سے نہیں ٹکراتا جس کا دعویٰ آپ کر رہے ہیں؟ کیا کوئی صحابی بیک وقت غیر فقیہ اور پھر مجتہد بھی ہو سکتے ہیں؟

توبہ و عفو کی غیر ضروری بحث مدیر "البلاغ" نے یہ جو لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ صحابۂ کرام سے بعض مرتبہ بتقاضائے بشریت "دو ایک یا چند" غلطیاں سرزد ہو گئی ہوں لیکن تنبہ کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور اللہ نے انہیں معاف فرما دیا، معلوم نہیں یہ بات لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی اور اس سے کیا ثابت کرنا مقصود ہے؟ کیا مولانا مودودی نے یہ بات کہیں بیان کی ہے کہ فلاں صحابی نے کسی غلطی پر توبہ نہیں کی، اللہ نے انہیں معاف نہیں فرمایا اور وہ اس غلطی اور عدم توبہ کی بنا پر (معاذ اللہ) عادل نہیں رہے؟ مولانا نے صرف غلطیاں اور ان کے تاریخی نتائج و عواقب بیان کر دیے ہیں۔ یہاں توبہ و معافی کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ بعض افعال ایسی اجتماعی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کہ تنبہ اور توبہ کے باوجود ان کے اثرات مترتب ہو کر رہتے ہیں اور "خلافت و ملوکیت" میں جو کچھ بحث ہے اسی نقطۂ نظر سے ہے، ورنہ توبہ کا امکان تو ہر مسلمان کے لیے آخر وقت تک یقیناً موجود ہے۔ بلکہ شرک کے ماسوا ہر مسلمان کا ہر گناہ بلا توبہ بھی معاف ہو سکتا ہے جیسا کہ اللہ نے اپنی کتاب میں صراحت فرما دی ہے۔ پھر عفو و مغفرت کے اس اصولی امکان کے علاوہ متعدد صحابۂ کرام کی سچی توبہ کا بیان بھی قرآن و حدیث میں موجود ہے اور ساتھ ہی اُن غلطیوں کا بیان اور ان پر تبصرہ بھی موجود ہے جن پر توبہ کی گئی تھی۔ توبہ کے بعد بھی ان واقعات کی نشان دہی اور ان پر تنقید کتاب و سنت میں اس وجہ سے ضروری سمجھی گئی کہ دوسرے عبرت و نصیحت حاصل کریں اور بعد کے لوگوں نے بھی اسی غرض کے لیے انہیں بیان کیا۔ مثلاً پہلے درج ہو چکا کہ ابن حجرؒ نے جو کتاب خاص طور پر امیر معاویہؓ کے دفاع میں لکھی اُس میں بھی الصحابۃ کلھم

عدول سے آغاز کلام کرتے ہوئے یزید کی ولی عہدی پر سخت تنقید کی اور یہاں تک لکھا کہ اگرچہ حضرت معاویہؓ کو اللہ اس پر معاف فرمادے گا، مگر انہوں نے امت کو تباہی سے دوچار کر دیا اور جو شخص اس معاملے میں ان کی پیروی کرے گا آگ میں جائے گا! حضرت معاویہؓ نے جو محاربہ و مقاتلہ حضرت علیؓ کے خلاف کیا ہے اس پر عفو و توبہ کا امکان، یا بربنائے حسن ظن اس کا وقوع تسلیم کر لینے کے باوجود یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت علیؓ کے مخالفین و منازعین میں سے دوسرے افرادِ صحابہؓ کا اپنے فعل پر ندامت و رجوع جس قطعیت کے ساتھ ثابت ہے، ویسا حضرت امیر معاویہؓ سے ثابت و مذکور نہیں ہے حضرت عائشہؓ تو جنگِ جمل کو یاد کر کے اتنا رویا کرتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی تر ہو جایا کرتی تھی یہی وجہ ہے کہ علمائے اہلِ سنّت نے اس فرق کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر عبدالکریم شہرستانی "الملل والنحل" میں امام ابوالحسن اشعریؒ کا قول یوں نقل فرماتے ہیں: قال لا نقول فی عائشۃ وطلحۃ والزبیر الا انہم رجعوا عن الخطأ وطلحۃ والزبیر من العشرۃ المبشرین بالجنۃ ولا نقول فی معاویۃ وعمرو بن العاص الا انہما بغیا علی الامام الحق (الملل والنحل جلد اول ص۱۲۵ مکتبۃ الحسین، قاہرہ ۱۳۶۸ھ)۔
(امام الاشعری کا قول ہے کہ ہم عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے متعلق یہی کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی غلطی سے رجوع کر لیا اور طلحہؓ و زبیرؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ہم معاویہؓ اور عمروؓ بن عاص کے متعلق اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ انہوں نے امامِ حق کے خلاف بغاوت کی)۔

اب یہاں امام ابوالحسن جس طرح ایک فریق کے رجوع کا ذکر رہے ہیں اور دوسرے کا نہیں کر رہے، اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاص کا رجوع عن الخطأ اس طرح ثابت نہیں ہے جس طرح حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا ثابت ہے؟

کیا تخویف و تحریض غلط الزام ہے | البلاغ میں یہ بات بار بار دہرائی گئی ہے کہ "خلافت و ملوکیت" میں حضرت معاویہؓ کے متعلق مندرجات کو اگر درست مان لیا جاتے . . . اگر یہ چارج شیٹ درست ثابت ہو جاتے . . . . اگر یہ تمام جرائم ان کے سر تھوپ دیئے جائیں، تو انہیں فسق سے کیسے بری کیا جا سکتا ہے؟ اس طرزِ بیان و اندازِ استفہام کا صاف مدعا یہ ہے گویا کہ امیر معاویہؓ کی جن غلطیوں کا ذکر اس کتاب میں ہے

وہ سب اپنے پاس سے گھڑ کر مصنف نے حضرت معاویہؓ کے سر منڈھ دی ہیں۔ میں اگرچہ ان میں سے ایک ایک چیز کا ثبوت نقل و عقل کے ناقابلِ تردید دلائل کے ساتھ پیش کر چکا ہوں، لیکن یہاں میں دوبارہ ان کا مختصر جائزہ لیے لیتا ہوں۔ عثمانی صاحب کے نزدیک اولین غلط الزام یہ ہے کہ امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے کے لیے خوف و طمع کے ذرائع سے بیعت لی، رشوتیں دیں اور قتل کی دھمکیاں دیں۔ اب میں ان کے والد صاحب اور دوسرے علماء و مؤرخین کے اقوال درج کرنا شروع کر دوں تو بات بھی لمبی ہو گی اور شاید انہیں تاریخی روایات کہہ کر ان سے اعراض کیا جائے گا۔ اس لیے میں صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ خندق کی ایک حدیث مع ترجمہ یہاں دیتا ہوں:

عن ابن عمر قال دخلت علی حفصۃ ونسواتہا تنطف، قلت قد کان من امر الناس ما ترین فلم یجعل لی من الامر شیء۔ فقالت الحق بہم فانہم ینتظرونک و اخشی ان یکون فی احتباسک عنہم فرقۃ۔ فلم تدعہ حتی ذھب۔ فلما تفرق الناس خطب معاویۃ قال من کان یرید ان یتکلم فی ھذا الامر فلیطلع لنا قرنہ ولنحن احق بہ منہ ومن ابیہ۔ قال حبیب بن مسلمۃ فہلا اجبتہ؟ قال عبداللہ فحللت حبوتی وھممت ان اقول احق بھذا الامر منک من قاتلک وایاک علی الاسلام۔ فخشیت ان اقول کلمۃ تفرق بین الجمع وتسفک الدم ویحمل عنی غیر ذالک۔ فذکرت ما اعد اللہ فی الجنان۔ قال حبیب حُفظت وعُصمت۔

"حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت حفصہؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے غسل کیا تھا اور پانی کے قطرے ان کے بالوں سے گر رہے تھے۔ میں نے حفصہؓ سے کہا کہ لوگوں کا حال آپ دیکھ رہی ہیں۔ میرا امارت و خلافت کے معاملہ میں کوئی دخل نہیں رہنے دیا گیا۔ وہ بولیں: آپ جائیں تو سہی، لوگ آپ کے انتظار میں ہیں اور مجھے خطرہ ہے کہ آپ اگر وہاں نہ گئے تو تفرقہ پیدا ہو گا۔ حضرت حفصہؓ نے حضرت ابنِ عمرؓ کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ وہ بھی اجتماع میں چلے نہ گئے۔ جب لوگ جدا جدا ٹکڑیوں میں بٹ گئے تو امیر معاویہؓ نے تقریر

کرتے ہوئے کہا کہ جو شخص بھی امارت یا ولی عہدی کے معاملے میں زبان کھولنا چاہتا ہے، وہ ذرا اپنا سینگ تو اونچا کر کے دکھائے ہم اس سے اور اس کے باپ سے بھی زیادہ امارت کے مستحق ہیں۔ حبیب بن مسلمہ (جو حضرت ابن عمرؓ سے یہ رُوداد سن رہے تھے) نے پوچھا کہ آپ نے کوئی جواب امیر معاویہؓ کو نہ دیا؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنی چادر ڈھیلی کی تھی اور ارادہ کیا تھا کہ میں ان سے کہوں: "تم سے زیادہ حقدارِ امارت کا وہ ہے جس نے تم سے اور تمہارے باپ ابوسفیان سے اسلام کی خاطر قتال کیا۔ پھر میں ڈر گیا کہ میری بات سے تو اور زیادہ تفرقہ پیدا ہوگی، حتیٰ کہ خونریزی تک نوبت جا پہنچے گی اور میری بات سے کوئی دوسرا ہی مطلب اخذ کیا جائے گا۔ پس میں نے جنت میں اپنے اجر کو یاد کیا (اور خاموشی برتی)۔ حبیب کہنے لگے کہ آپ نے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔ بچا لیا!"

اس روایت کو بعض محدثین نے واقعہ تحکیم اور بعض نے بیعتِ یزید سے متعلق قرار دیا ہے۔ بہر کیف دونوں میں سے جو صورت بھی ہو، اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ امیر معاویہؓ ایک مجمع کو خطاب کر رہے تھے اور تہدید و تخویف کے انداز میں فرما رہے تھے کہ ہم خلافت کے زیادہ حقدار ہیں، ہمارے سامنے کون ہے جو سر اٹھائے؟ اس پر حضرت ابن عمرؓ جواب دینے سے رک گئے اور یہ جانتے ہوئے رُک گئے کہ میرے جواب کو غلط معنی پر محمول کر کے مجھے بھی مدعیٔ خلافت سمجھ لیا جائے گا اور تلوار کشی اور خون خرابے تک معاملہ جا پہنچے گا۔ پھر اس کے بعد حبیب جو امیر معاویہؓ کے خاص رفقاء میں سے تھے اور سارے حالات سے پوری طرح باخبر تھے، ان کا حضرت ابنِ عمرؓ سے یہ کہنا کہ آپ تو بچ گئے اور محفوظ ہو گئے، ورنہ بات کرتے تو شامت بلاتے، یہ پورا سلسلۂ گفتگو آخر کس سنگین صورتِ حالات پر دلالت کر رہا ہے؟

اس کے بعد بھی شاید مولانا عثمانی صاحب تو یہی کہیں گے کہ "خوف و طمع کے ذرائع" استعمال کرنے کا الزام پہلے سے مولانا مودودی نے گھڑا ہے؟ اسی لیے انہوں نے ولی عہدیٔ یزید پر بحث کے دوران میں ایک واقعہ امیر معاویہؓ اور حضرت سعید بن عثمانؓ کی گفتگو کا وہ حصہ تو نقل کر دیا تھا جس میں یزید کو ولی عہد بنانے کی شکایت تھی لیکن وہ حصہ حذف کر دیا تھا جس میں یہ مذکور تھا کہ اس شکایت کے جواب میں حضرت سعید کو خراسان کی گورنری دے دی گئی تھی۔

(باقی)